بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، أَمَّا بَعْدُ:

61. قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرنے والے مخالفین کے چند شبہات اور غلط فہمیاں اور اُن کا ردّ

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ۔

اور پچھلے درس میں ہم اللہ تعالیٰ کے دیدار کے تعلق سے بات کر رہے تھے اور یہ بیان کیا تھا کہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن جو ہیں جنت میں قیامت کے دن اپنے ربّ کا دیدار کریں گے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے)، اور ہم پہنچے تھے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے اس جملے پر: "فهذا قول أهل السنة" (یہ اہل سنت والجماعت کا قول یعنی اُن کا عقیدہ ہے) "في رؤية الله تعالى وأدلتهم" (اللہ تعالیٰ کے دیدار کے تعلق سے اور یہ اُن کے دلائل ہیں جو ہم پیش کر چکے ہیں) "وهي ظاهر جلية" (اور بالکل ظاہر اور جلیۃ اور واضح دلائل ہیں) "لا ينكرها إلا جاهل أو مكابر" (ان دلائل کا صرف ایک جاہل ہی یا کوئی ہٹ دھرم ہی انکار کر سکتا ہے)۔

واضح دلائل ہیں جو بیان کیے تھے، اور آج کی نشست میں جیسا کہ پچھلے درس میں بیان کیا تھا جو چند شبہات جو غلط فہمیاں ہیں مخالفین کی ان شبہات کو بیان کریں گے اور اُن کا مختصر ردّ بیان کرتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وخالفهم في ذلك طوائف من أهل التعطيل من الجهمية والمعتزلة والأشاعرة وغيرهم، واستدلوا بأدلة سمعية متشابة وأدلة عقلية متداعية": کہ مخالفت کی ہے اہل سنت والجماعت کی کئی گروہوں نے "أهل التعطيل" یعنی انکار کرنے والوں میں سے (جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرنے والے ہیں عمومی طور پر اور خصوصی طور پر) اس صفت کا بھی انہوں نے انکار کیا جہمیوں میں سے معتزلہ میں سے، أشاعرۃ میں سے "وغيرهم" اور ان کے

علاوہ بھی (یعنی ماتریدیہ وغیرہ اور جتنے بھی اہل التعطیل ہیں)، اور انہوں نے اپنی اس مخالفت پر یا مخالفت کی بنیاد جو ہے وہ بعض "سمعية متشابة" دلائل کی بنیاد پر کی ہے، سمعی یعنی قرآن اور سنت سے وہ دلائل جو مسموع ہیں جو ہم سنتے ہیں نصوص، متشابہ یعنی محکم نہیں ہیں نصوص متشابہ موجود ہیں۔

یعنی کوئی ایسی آیت یا کوئی ایسی حدیث جن میں ایک سے زیادہ معنی نکلتا ہو، محکم وہ ہے جس کا معنی بالکل واضح اور جلیۃ اور ظاہر معنی ہو، تو اہل سنت والجماعت کا یہ طریقہ ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت نمبر 7 میں اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ یہ جو ﴿الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ ہیں علماء جو ہیں وہ لوٹاتے ہیں متشابہ کو محکم کی طرف اور سب محکم ہو جاتا ہے، لیکن جو اہل الزیغ ہیں جن کے دل میں بیماری ہے اور حق سے دوری ہے وہ اُلٹا چلتے ہیں وہ محکم کو متشابہ کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔

یعنی مثال کے طور پر: اللہ تعالی کہاں ہے؟ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کے شایان شان ہے۔ کتنے دلائل ہیں؟ ہزاروں دلائل ہیں۔ جب اہل بدعت سے پوچھا جاتا ہے یا اہل تعطیل سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کہاں ہے؟ کہتے ہیں "ہر جگہ موجود ہے"۔ اِس کے کتنے دلائل ہیں اُن کے پاس؟ ایک یا دو۔

اب کیا ہونا چاہیے اِن ایک یا دو دلائل کو جن کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دلائل ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، یہ محکم ہیں یا جو ہزاروں دلائل اللہ تعالی کے علو اور عرش پر مستوی ہونے پر دلالت کرتے ہیں؟ دیکھیں یہ بھی قرآن اور سنت ہے یہ بھی قرآن اور سنت ہے، یہاں پر ہزاروں دلائل ہیں یہاں پر ایک یا دو یا تین، اب کس کو کس طرف لوٹانا چاہیے؟ ہزاروں کو دو تین کی طرف لوٹا چاہیے یا دو تین کو ہزاروں کی طرف لوٹانا چاہیے؟

ایک چھوٹی سی مثال میں نے دی ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

الغرض، تو ان کے پاس بعض دلائل ہیں سمعی جو متشابہ ہیں محکم نہیں ہیں، اور بعض عقلی دلائل ہیں جو متداعیہ ہیں (ناکارہ ہیں)، تو نہ عقلی دلیل ہے اُن کے پاس اور نہ ہی کوئی نقلی یا سمعی دلیل ہے۔

تو آیئے دیکھتے ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ عثیمین رحمہ اللہ): ان کے جو دلائل ہیں سمعی دلائل جو ہیں "فالأول" (پہلی دلیل) "قوله تعالى" (اللہ تعالی کا ارشاد ہے) ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ

﴿اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾(الاعراف:143)۔

معروف قصہ ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے اور ہمکلام ہونے کے لیے کوہ طور پر گئے تھے ﴿وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا﴾: مقرر وقت تھا(میقات: مقرر وقت تھا)اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا۔

﴿وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾: اور اُن کے ربّ نے اُن سے کلام کیا(یعنی سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ربّ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کلام کیا)۔

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾: سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کہ اے میرے ربّ! میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں ﴿اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾۔

﴿قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ﴾: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ہر گز مجھے نہیں دیکھ سکتے میرا دیدار نہیں کر سکتے۔﴿وَلٰكِنِ﴾: لیکن ﴿انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ﴾: اُس پہاڑ کی طرف دیکھیں۔

﴿فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ﴾: اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قرار پالیتا ہے۔

﴿فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ﴾ تو پھر تم بھی مجھے دیکھ پاؤگے۔

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾: بس جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ربّ نے تجلّی کی ہے اُس پہاڑ کے لیے، ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا﴾: اللہ تعالیٰ نے اُس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا(وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا ایک تجلّی سے) ﴿وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾: اور سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بے ہوش ہو گئے۔

اب یہ پہلی دلیل ہے اُن لوگوں کی جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا قیامت کے دن کہ مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے، کہتے ہیں کہ یہ دلیل ہے ہمارے پاس قرآن مجید سے دلیل ہے۔

یہ تو مان لیا کہ یہ آیت قرآن مجید کی ہے (الحمد للہ)، اور اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا، یہ بھی درست ہے: اور ایک ''وجه الدلالة'' اس آیت سے ہمارے پاس جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ ﴿لَنْ﴾ جو ہے (لام نون، جو یہ حرف ہے) یہ ''للنفي المؤبد'' یہ ہمیشہ کی نفی کے لیے ہے۔

عربی زبان میں جو حرف النفی "لن" ہے یہ ہمیشہ مستقبل کی بھی اس میں نفی آجاتی ہے، ہمیشہ کی نفی ہے۔

دیکھیں ایک لم ہے، ایک لا ہے، ایک لن ہے یہ سب اُدوات النفی ہیں۔ کیا فرق ہے ان میں؟ لم ماضی کے لیے ہے، لا حاضر کے لیے ہے، اور لن مستقبل کے لیے ہے۔

تو جو مستقبل یعنی ابھی بھی نہیں اور آگے مستقبل میں بھی نہیں، تو اس میں جو نفی ہے خبر کی نفی کی جا رہی ہے ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾: خبر کی نفی ہے، اللہ تعالیٰ کی خبر سچ ہے اور اس میں نسخ بھی داخل نہیں ہے۔

یعنی یہ نہ سمجھیں آپ کہ منسوخ ہو چکا ہے پہلے تھا، کیونکہ خبر میں نفی نہیں ہوتی، نفی ہوتی ہے نسخ جو ہوتا ہے خبر میں نہیں ہوتی کبھی، نسخ ہوتا ہے حکم شرعی میں۔

حکم شرعی میں تو نسخ ہو سکتا ہے اب خبر میں کیا نسخ ہے؟! یعنی آپ یہ دیکھیں کہ جو قصے ہیں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے یہ منسوخ نہیں ہوتے کیونکہ خبر ہے، لیکن حکم شرعی ہے اُس میں نسخ ہو سکتا ہے۔ واضح بات ہے؟

تو ہم نے یہ کہا کہ جب منسوخ بھی نہیں ہو سکتا، ہے بھی خبر، ہے بھی سچ، اور اس میں نفی کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی اور ہمیشہ حرف النفی "لن" سے (لام نون سے لن سے ہے) تو اس کا مطلب ہے کہ کبھی بھی دیدار ہو ہی نہیں سکتا، اس میں ہر قسم کا دیدار شامل ہے جس کی نفی کی گئی ہے۔

اور "والرد علیهم من وجوه": شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کا ردّ جو ہے کئی طریقوں سے ہے:

1- پہلا طریقہ ردّ کا یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ حرف النفی "لن" جو ہے یہ نفی مؤبد کے لیے ہے کہ ہمیشہ کی نفی کے لیے ہے، یہ صرف دعویٰ ہی ہے۔ وجہ کیا ہے؟

(ا) پہلی وجہ یہ ہے کہ جو عربی کے ماہرین ہیں (عربی زبان کے جو ماہرین ہیں) اُن کی گواہی ہے وہ یہ کہتے ہیں: ابن مالک اپنی الکافیۃ میں (معروف ابن مالک کی جو الکافیۃ ہے عربی زبان میں، یعنی بہت بلند درجے کی اور عمدہ کتاب سمجھی جاتی ہے) اُس میں وہ فرماتے ہیں: "وَمَنْ رَأَى النَّفْيَ بِلَنْ مُؤَبَّدًا ، فَقَوْلَهُ ارْدُدْ وَسِوَاهُ فَاعْضُدَا" (جو یہ کہتے ہیں کہ لن سے ہمیشہ کی نفی ہو جاتی ہے اُن کے قول کو ردّ کر دو اور اس کے علاوہ جو قول ہے اسے پکڑ لو)۔

اس کے علاوہ قول کیا ہے؟ کہ لن جو ہے نفی مؤبد کے لیے ہمیشہ کی نفی کے لیے نہیں ہے۔

تو پہلی تو یہ بات ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ لن ہمیشہ کی نفی کے لیے ہے تمہارا دعویٰ ہی غلط ہے، عربی زبان میں لن نفی کے لیے تو ہے لیکن ہمیشہ کی نفی کے لیے نہیں ہے، سیاق اور سباق کے تعلق سے ہے اس کی مناسبت سے ہے کہ اس سے مراد کیا ہے کون سی نفی ہے، اور کس زمانے تک کسی حد تک ہے کہ نہیں۔

"لا محدود" ہمیشہ کی نفی نہیں ہے محدود نفی ہے، مستقبل کی نفی بھی ہو سکتی ہے لیکن ہمیشہ کی نفی نہیں ہے عربی گرامر کے تعلق سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے آخرت میں دایدار کی گزارش نہیں کی بلکہ دنیا میں رؤیۃ حاضرۃ جو ہے دیدار کرنے کی گزارش کی اللہ تعالیٰ سے: ﴿اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ﴾ یعنی "الآن" (ابھی اسی وقت)، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾: یعنی اے میرے پیارے پیغمبر! آپ مجھے اس دنیا میں کبھی بھی نہیں دیدار کر سکتے۔

یعنی انسان کی یہ جو خلق ہے دنیا کا جو انسانی وجود ہے اس حالت میں اپنی آنکھوں سے اپنے ربّ کا دیدار نہیں کر سکتا یہ ممکن نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے، یعنی دیکھیں انسان کی خلقت گوشت سے ہے، اور یہ ٹشوز جو ہیں جسم کے، خون ہے، پہاڑ کی طرح مثال دی ہے کہ ناممکن ہے اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں، پہاڑ کی طرف دیکھیں ذرا کہ اگر پہاڑ اپنے قرار کو پکڑ پایا اور صحیح سلامت رہ سکتا ہے تو پھر دیدار ممکن ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تجلّی کی ہے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا پہاڑ برداشت نہیں کر پایا، جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ نظارہ دیکھا (صرف نظارہ دیکھا ہے یہ) تجلّی پہاڑ کو ہوئی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بے ہوش ہو گئے ﴿فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ﴾: جب پہاڑ قرار نہیں پا سکا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اس کا مطلب ہے کہ دنیا میں دیدار ممکن نہیں ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ناممکن ہے کیونکہ انسان کی جو بشریت کا تقاضہ ہے اور جو جسم ہے اس دنیا میں وہ تحمل کر ہی نہیں سکتا اور اس کے اندر یہ طاقت ہے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی

حدیث میں آیا ہے: ''حِجَابُهُ النُّورُ''(اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے(پردہ نور ہے))''لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ''(اگر اللہ تعالیٰ اس حجاب کو ہٹادے تو اللہ تعالیٰ کے جو چہرے کے انوار ہیں وہ ہر اُس چیز کو جلادیں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نگاہ جاتی ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی بصر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی کوئی حد نہیں ہے، یہ نہ سمجھیں کہ جہاں تک جاتی ہے اس کی کوئی حد ہے: ''مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ'': مخلوقات میں سے،"لا محدود ہے"۔

تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے لیکن (پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں) آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے کیونکہ لوگ جو ہیں اُس دن جو ہیں کسی اور دنیا میں ہوں گے، اُن کی حالت اُن کے احوال اس دنیا سے بالکل الگ ہیں جیسا کہ قرآن اور سنت کے نصوص میں بالکل واضح دلائل موجود ہیں کہ لوگ جو ہیں قیامت کے دن جو اُن کو مشکلات پیش آئیں گی وہ دنیا پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور اُن کی جو ہمیشہ کی زندگی ہے یا جنت میں نعیم ہے یا دوزخ (جحیم) میں دونوں کے احوال اگر دیکھیں تو دنیا سے بالکل الگ ہیں۔

یہ جسم نہیں رہے گا یہ جسم دوبارہ زندہ ہوگا (مرنے کے بعد یہ جسم دوبارہ زندہ ہوگا) اس کی طاقت اس کا جو حجم ہے، اس کا جو حال واحوال ہے یہ دنیا جیسا نہیں ہے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! بالکل الگ ہوگا، یہ آسمان یہ نہیں رہے گا، زمین یہ نہیں رہے گی، خلق پوری کی پوری تبدیل ہوجائے گی اور حالت یہ نہیں ہوگی (سبحان اللہ)۔

جب یہ معاملہ ہے تو دنیا کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اس جسم کو (اس دنیا کے جسم کو) بشریت کے تقاضے کو جو اس دنیا میں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ طاقت دی ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوسکے، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب دوبارہ اس انسان کو زندہ کرے گا اُس وقت اس انسان کی حالت اور ہوگی جسم بھی اور ہوگا، اور اس کی قوت تحمل بھی اور ہوگی، یہ نہیں ہوگی۔

(۳) اور تیسری وجہ شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کو ناممکن کہنے والے جو ہیں کہ اُن کا ایک مسئلہ ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اِن لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اگر اس دیدار کو ثابت کردیا جائے تو وہ یہ کہتے ہیں "یہ اللہ تعالیٰ کا نقص اور عیب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے"۔

یعنی اُن کی نفی کی جو تعلیل ہے وہ کیوں انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا قیامت کے دن؟ کہتے ہیں کہ اگر ہم دیدار کو مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: یعنی دیکھیں غلط فہمی کیسے ہوئی ہے! کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ربّ سے دیدار کی گزارش کی ہے، پھر دو باتوں میں سے ایک ہے (نعوذ باللہ)، یا تو جاہل تھے جانتے نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا واجب ہے کیا واجب نہیں ہے، اور کیا سوال کرنا ہے کیا سوال نہیں کرنا! یا دعا میں زیادتی کر بیٹھے !(نعوذ باللہ)۔

یعنی سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دیدار کی گزارش کی ہے اگر یہ دیدار ممکن نہ ہوتا اور انکار نہ ہونے کی وجہ کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے، اللہ تعالیٰ کی شان میں نقص اور عیب کا سبب ہے (کیونکہ اُن کے نزدیک احاطہ ہوتا ہے) نہیں دیکھ سکتے اللہ تعالیٰ کو، یا جسم لازم آتا ہے (جسے آگے بیان کروں گا میں)۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ بات یہ تعلیل بالکل غلط ہے۔ کیوں غلط ہے؟ کیونکہ جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ربّ کے دیدار کے تعلق سے گزارش کی ہے اور یہ گزارش کی ہے کہ اپنے ربّ کا دیدار کرنا ہے تو پھر دو باتوں میں سے ایک لازم آتی ہے: پہلی بات یہ ہے کہ یا تو سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جانتے نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کرنی ہے کیا نہیں کرنی ہے، پھر جہالت ہے نا! (اور اللہ کے نبی کے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ وحی نازل ہوتی ہے نامعصوم ہیں)، دوسری وجہ یہ ہے کہ یا تو پھر دعا میں زیادتی کر بیٹھے ہیں (یہ بھی ناممکن ہے) کیونکہ دعا میں زیادتی جائز نہیں ہے شرعاً معصیت ہے اور اللہ کے نبی معصیت سے پاک ہیں معصوم ہیں: تو یہ دونوں باتیں جو ہیں نا یہ غلط ہیں ممکن نہیں ہیں۔

اور اس کا مطلب پھر یہ بھی ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں): کہ یہ جو انکار کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا یہ یہ ثابت کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) کہ یہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے زیادہ بہتر جاننے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا واجب ہے کیا نہیں ہے، کس چیز میں اللہ تعالیٰ کے لیے نقص اور عیب ہے، یا کیا اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے یا

مطابق ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، اور یہ بھی "وهذا غاية الضلال!": یہ گمراہی کی انتہا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے ان لوگوں کے لیے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے۔

اور اسی طریقے سے (ایک یہ قاعدہ یاد کر لیں یہ کلی قاعدہ ہے) ہر وہ دلیل کتاب یعنی قرآن مجید میں سے اور صحیح حدیث سنت میں سے جس سے اہل باطل جو ہیں وہ اپنے باطل سے دلیل پکڑتے ہیں (یا اپنے باطل کے لیے دلیل پکڑتے ہیں)، یا کسی حق کی نفی کرتے ہیں، تو حقیقت بات یہ ہے کہ یہی دلیل اُن پر یعنی لوٹتی ہے اُن کے خلاف اور اُن کے لیے کبھی دلیل ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ قاعدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کئی مرتبہ بیان کیا ہے، شیخ ابن عثیمین (رحمہم اللہ) نے بھی کئی مرتبہ بیان کیا ہے اس قاعدے کو، تو یہ قاعدہ جو ہے بالکل واضح ہے اور یہ قاعدہ جو ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل الضلال (اہل الباطل جو ہیں، اہل البدع جو ہیں) جب بھی اپنی بدعت پر کوئی بھی ثبوت یا کوئی بھی دلیل بیان کرتے ہیں قرآن مجید سے یا صحیح حدیث سے تو یہ دلیل اُن کے خلاف ہو گی، تھوڑا سا غور و فکر کی بات ہے آپ اسی دلیل سے اُن کے باطل کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں، جبکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ اُن کی دلیل ہے اپنے باطل پر، کیونکہ یہ دین حق ہے باطل کی اس میں کوئی بھی گنجائش نہیں ہے بدعت کی گنجائش نہیں ہے۔

واضح ہے؟ تو پھر باطل کی دلیل کہاں قرآن اور سنت میں ہو سکتی ہے؟!

2- دوسری دلیل انکار کرنے والوں کی جو ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الانعام آیت نمبر 103 میں: ﴿لَا تُدۡرِكُهُ ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَهُوَ يُدۡرِكُ ٱلۡأَبۡصَٰرَۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلۡخَبِيرُ ۝١٠٣﴾ (الانعام:103): اس پر پہلے ہم بات کر چکے ہیں پچھلے درس میں کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک آنکھیں نہیں کر سکتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ادراک کرتا ہے آنکھوں کا بصارت کا، اور وہ لطیف الخبیر ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اِن کا ردّ جو ہے یہ اس آیت میں جو ہے نفی ادراک کی ہے دیدار کی نفی نہیں ہے۔

دو مختلف چیزیں ہیں: ایک ادراک یعنی احاطہ ہے احاطے کی نفی ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ ممکن نہیں ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اُس کی نفی نہیں ہو رہی اور دیدار اور احاطہ دونوں میں جو تلازم ہے وہ عموم اور خصوص کا ہے۔

یعنی شیخ صاحب فرماتے ہیں: آپ یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ جو ہیں وہ سورج تو دیکھتے ہیں لیکن سورج کا احاطہ ادراک کوئی نہیں کر سکتا، سورج ایک چھوٹی سی مخلوق ہے پھر اللہ تعالیٰ کا احاطہ کیسے ممکن ہے؟!

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر ہم یہ ثابت کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے تو اُس سے احاطہ لازم نہیں آتا (دیدار سے احاطہ لازم نہیں آتا) کیونکہ دیدار جو ہے وہ مطلق الرؤیہ ہے (یعنی صرف دیدار ہے)، اور ادراک ایک خاص چیز ہے، یعنی مکمل احاطہ حاصل کرنا۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا (شیخ صاحب فرماتے ہیں): کہ ادراک اور احاطے کی نفی سے اصل جو دیدار ہے اس کی نفی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے احاطے کی نفی تو کی ہے لیکن دیدار کی نفی نہیں کی بلکہ دیدار کو ثابت کیا ہے۔

جب کسی خاص چیز کی نفی کی جاتی ہے تو عموم باقی رہتا ہے لیکن اگر عموم کی نفی کی جائے تو خاص بھی باقی نہیں رہتا، یہ قاعدہ یاد رکھیں، جو نفی کی گئی ہے وہ خاص کی کی گئی ہے اور جو عام دیدار ہے وہ باقی ہے، اور اگر جو عام ہے اس کی نفی کی جاتی تو پھر خاص کی نفی اُس کی ضرورت نہیں پڑتی (جب عام کی نفی ہو گئی خاص بھی نفی ہو گیا نا، جب عام کا وجود نہیں ہے تو پھر خاص کا وجود بھی نہیں ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے جو عام دیدار ہے اس کو ثابت کیا ہے، اور جو خاص احاطہ ہے اس کی نفی کی ہے۔

پھر آخر میں جو عقلی دلائل ہیں اِن لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں: اگر ہم یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے تو اِس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو اور جسم اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے ناممکن ہے کیونکہ جسم سے تشبیہ اور تمثیل ہوتی ہے مخلوق سے۔

اس غلط فہمی کا ردّ جو ہے یا اس عقلی دلیل کا ردّ جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر تم لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے دیدار کو ثابت کرنے سے جسم لازم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو پھر ہوا اِس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا یہ تمہاری سوچ ہے تم یہ سمجھتے ہو، لیکن ہمیں علم یقین ہے کہ اگر جسم بھی ہو اللہ تعالیٰ کا تو مخلوق کے جسم جیسا ہر گز نہیں ہے مماثلت ہر گز نہیں ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝١١﴾ (اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے) (الشوریٰ: 11)۔

اور پھر یہ کہنا ہے جسم کے تعلق سے کہ یہ لفظ جسم جو ہے یہ صرف جو متکلمین ہیں یہ اُن کا ایجاد کردہ لفظ ہے جس کی نہ کتاب اور نہ ہی سنت میں کوئی دلیل ملتی ہے نہ اثبات میں نہ نفی میں۔

یعنی قرآن اور سنت کے نصوص میں جسم کا لفظ ہے ہی نہیں نہ اس کو ثابت کرنے کے لیے اور نہ ہی اس کی نفی کرنے کے لیے، یعنی کتاب اور سنت میں نہ جسم کو ثابت کیا گیا ہے نہ نفی کی گئی ہے اور اگر تم لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے دیدار کو ثابت کرنے کے لیے جسم لازم آتا ہے تو پھر تم جانو یہ تمہاری سوچ ہے، ہمارے نزدیک اگر لازم بھی آتا ہے تو ہمیں علم یقین ہے کہ مخلوق کے جسم جیسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ جسم کا لفظ استعمال کرنا ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی دلیل قرآن اور سنت میں نہیں ہے نہ نفی میں ہے اور نہ ہی اس کو ثابت کرنے میں۔

اور پھر جو اہل النفی ہیں اہل الاثبات پر (جنہوں نے ثابت کیا ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار کو) انہوں نے پھر اور دلائل پیش کیے ہیں جو بالکل یعنی ٹھنڈے ہیں جیسا کہ اس میں کوئی وزن کوئی وقعت نہیں ہے اُن کی، اور تحریف کی ہے ان دلائل کی، ایسی تحریف جو کسی سے مخفی نہیں ہے اور یہ جگہ اُس کا ذکر کرنے کی نہیں ہے یہ بہت "المطولة" جو لمبی بڑی کتابیں ہیں اُن میں یہ دلائل موجود ہیں اور اُن کا رد بھی موجود ہے۔

اور میں گزارش کرتا ہوں حاضرین اور سامعین سے اگر اس موضوع کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو شرح العقیدۃ الطحاویۃ جو ہے جو الحمد للہ ہو چکی ہے (دو مرتبہ ہو چکی ہے الحمد للہ) وہاں سے آپ دیکھ لیں اُس میں تفصیل موجود ہے، اللہ تعالیٰ کے دیدار کے تعلق سے جو غلط فہمیاں ہیں اور مخالفین جو انکار کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا اُن کے جو شبہات ہیں اور اُن کا ازالہ ہے جو جواب دیا گیا ہے وہ تفصیل موجود ہے آپ وہاں سے سُن سکتے ہیں۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلکی کیا فائدہ ہوتا ہے جب ہم یہ بات کرتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے؟ اور مومن جو ہیں اپنے ربّ کا دیدار جنت میں کریں گے قیامت کے دن تو ہمیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟ دینی فائدہ مسلکی ہمیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ انسان جب یہ جان لیتا ہے کہ جب وہ نیک عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا نیک اور صالح بندہ بن جاتا ہے اور سب سے بڑا انعام جو اسے ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے تو یہ دنیا ساری کی ساری اُس کے سامنے بالکل سستی پڑ جاتی ہے اس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی، اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے دیدار تک پہنچنے کی رکاوٹ کا سبب بنے تو وہ اس بندے کے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار سب سے بڑی غایت ہے اور سب سے بڑا طلب ہے اور ہر مومن جو ہے اس کی خواہش رکھتا ہے۔

اور جب آپ یہ جان لیتے ہیں کہ آپ جنت میں داخل ہوں گے اور اپنی آنکھوں سے اپنے ربّ کا دیدار کریں گے تو (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ کی قسم! یہ دنیا تمہارے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھے گی اس کی کوئی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، یہ ساری کی ساری دنیا جو ہے وہ کوئی قیمت نہیں رکھتی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے سامنے کیونکہ یہی وہ ثمرۃ ہے جس کے لیے یعنی تسابق کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں مومن جو ہیں اور اسی کے لیے سعی کرتے ہیں سعی کرنے والے، اور یہ ہر خیر اور ہر بندے کی جو تمنا ہے تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

اگر آپ یہ خوب جان لیتے ہیں تو کیا اس عظیم غایت تک پہنچنا آپ چاہیں گے کہ نہیں چاہیں گے؟! اس کے لیے سعی کریں گے کہ نہیں کریں گے؟!

شیخ صاحب فرماتے ہیں جواب کیا ہے؟ بے شک ہر بندہ جو ہے ہر مسلمان جو ہے وہ اس کی سعی کرتا ہے اور بہترین طریقے سے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ جدوجہد بھی کرتا ہے سعی بھی کرتا ہے اور اس میں اس کو کوئی جھجک بھی نہیں ہوتی کبھی بھی۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرنے والے ہیں حقیقت میں وہ بہت ہی خیر سے محروم ہیں (اس عظیم خیر سے محروم ہیں) اور جو ایمان ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا وہ اس انسان کو بڑی آسانی سے اس عظیم جو خواہش ہے اس تک پہنچا دیتا ہے اور یہ آسان ہے "الحمد للہ" اس کے لیے یعنی جو یہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے یہ راستہ آسان کر دیتا ہے، اور حقیقتاً دین جو ہے وہ سارا کا سارا آسانی کا دین ہے یہاں تک کہ آپ دیکھیں کہ اگر دین میں کوئی مشکل یا کوئی سختی آجاتی ہے وہ بھی آسان ہو جاتی ہے، تو دین کی اصل جو ہے وہ آسانی کا دین ہے اگر کوئی حرج اُس کے بعد کوئی پیدا ہو جائے تو پھر مزید

آسانی ہو جاتی ہے، اگر کوئی ایسا عمل ہے جو ناممکن ہو جائے اس بندے پر (مومن پر یا مسلمان پر) تو پھر وہ ساقط ہو جاتا ہے، تو قاعدہ یہ ہے کہ: "لا واجب مع العجز" (عجز کے ساتھ کوئی واجب باقی نہیں رہتا) "ولا حرام مع الضرورة" (اور ضرورت کے ساتھ کوئی حرام باقی نہیں رہتا)۔

یہ قاعدہ ہے آخر میں: کہ واجب کے ساتھ "لا واجب مع العجز" جب انسان عاجز ہو جاتا ہے کسی واجب کو کرنے سے تو وہ واجب باقی واجب نہیں رہتا اس میں سے کوئی چیز ساقط ہو جاتی ہے یا جزوی طور پر یا مکمل طور پر ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:16)، "ولا محرم مع الضرورة": دوسرا حصہ یہ ہے اس قاعدے کا کہ "الضرورات تبیح المحظورات": یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو ضرورت کے لیے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے اس ضرورت کے مطابق۔

تو یہ چند اہم باتیں ہیں اس موضوع کے تعلق سے، اسماء وصفات کے باب میں یہ آخری دو جملے ہیں:

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ): "وهذا الباب في كتاب الله كثير ومن تدبر القرآن طالباً للهدى تبين له طريق الحق"۔

بڑی پیاری بات ہے اور ہر مومن کا یہ نصب العین ہونا چاہیے جو آخری لائن ہے خاص طور پر۔

"وهذا الباب": شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ یعنی فرماتے ہیں شرح میں کہ یہ اشارہ ہے "إلى باب الأسماء والصفات": یعنی ابھی تک جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے شروع سے لے کر اپنا عقیدہ بیان کیا ہے تقریباً آدھی کتاب ہو چکی ہے یہ ساری کا ساری ابھی تک ہم نے صرف اسماء وصفات کے باب میں بات کی ہے۔

"وهذا الباب": یعنی اسماء وصفات کے تعلق سے جو باتیں ہوئی ہیں۔

"في كتاب الله كثير": اور اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید میں بہت ہی زیادہ ذکر ہے اس موضوع کے تعلق سے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کثرت سے قرآن مجید میں موجود ہیں، کوئی بھی آیت نہیں قرآن مجید میں اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام اور صفت موجود ہے، یا اللہ تعالیٰ کا نام ہوگا، یا فعل ہوگا، یا حکم ہوگا، یا صفت: یہ سب چیزیں قرآن مجید میں موجود ہیں بلکہ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر آیت اللہ تعالیٰ کی کتاب کی قرآن مجید میں اللہ کی صفت ہے کیونکہ قرآن

مجید سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ہر آیت جو ہے وہ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

پھر شیخ الاسلام کا یہ فرمان یہ کہنا کہ جو بھی قرآن مجید پر غور و فکر کرتا ہے (تدبر: کا مطلب ہے غور و فکر کرنا یعنی تفکر کرنا اس میں غور و فکر کرنا) اور یہ لفظ جو ہے تدبّر "یستدبره مرة ويستقبله أخرى": ایک ہی جملے کو آپ بار بار شروع سے پڑھتے ہیں آخر تک، پھر شروع سے پڑھتے ہیں آخر تک، اور اس کی تکرار بار بار کرتے ہیں لفظ کی تاکہ معنی کو اچھی طرح سمجھ لیں، تدبّر میں تکرار اللفظ "يكرر اللفظ ليفهم المعنى" اصل بات یہ ہوتی ہے۔

غور و فکر میں آپ ایک دفعہ پڑھتے ہیں پھر پڑھتے ہیں، الفاظ کو دیکھتے ہیں، الفاظ کے انتخاب کو دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کا کیوں اللہ تعالیٰ نے انتخاب کیا ہے، پھر اس جملے کو دیکھتے ہیں، پھر جملہ اسمیہ ہے فعلیہ ہے، مثبت ہے منفی ہے، اس کا عموم کا صیغہ کیا ہے، عموم ہے یا صیغ الحصر ہے کیا ہے، یہ ساری چیزیں آپ دوبارہ دیکھتے ہیں بار بار دیکھتے ہیں پھر آپ سیاق اور سباق دیکھتے ہیں، پھر سورۃ کو دیکھتے ہیں، پھر اگلی آیت پچھلی آیت کو آپ جوڑتے ہیں، بار بار پڑھتے ہیں پھر دوبارہ پڑھتے ہیں، اس سے آپ کو کیا ہوتا ہے؟ فائدہ کیا ہوتا ہے اس سے؟ آپ کا معنی مزید واضح ہوتا ہے، اس میں جو فوائد ہیں جو پیغام ہیں آپ آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں، تو اسے کہتے ہیں تدبّر۔

جو بھی قرآن مجید میں غور و فکر کرتا ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) تو اس کے لیے اس عمل سے آسانی ہو جاتی ہے قرآن مجید کو سمجھنے میں، اور پھر یہ تو فعل ہے (تدبّر کرنا فعل ہے) لیکن اس کے ساتھ نیت ٹھیک ہونی چاہیے۔

نیت کیا ہے؟ "طالباً للهدى": آپ نے تدبّر کرنا ہے قرآن مجید کا آپ کی نیت کیا ہے؟ آپ ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں قرآن مجید پر غور و فکر کرنے سے (اصل بات یہ ہے)۔

آپ اپنی اصلاح چاہتے ہیں آپ اپنے آپ کو درست کرنا چاہتے ہیں، اپنے دل کو پاک کرنا چاہتے ہیں، اپنے اعمال کو صاف کرنا چاہتے ہیں، آپ موحد متبع سنت سچا پکا مسلمان متقی و پرہیزگار بننا چاہتے ہیں کیسے بنیں گے؟ کہاں سے بنیں گے؟ قرآن مجید سے۔ کیسے؟ غور و فکر کریں گے، غور و فکر کرنے سے صحیح معنی واضح ہو جائے گا۔

اور "تفسیر السلف" اس لیے ہم کیوں کہتے ہیں کہ سلف کی تفسیر پڑھیں سلف نے کیا فرمایا ہے قرآن مجید کی تفسیر سے؟ یہی معنی واضح ہو جاتا ہے۔

تو غور وفکر تو ایک عمل ہے لیکن دل میں نیت کیا ہونی چاہیے ؟ کیا نیت ہے ؟ ایک نیت رکھیں آپ قرآن مجید ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرۃ:2) ہے کہ نہیں ؟ ہدایت کی کتاب ہے نا؟ تو ہدایت کہاں سے لیں گے آپ ؟ قرآن مجید سے۔ غور وفکر آپ نے کیا ہے عمل کیا ہے اور دل میں نیت ہے ''طالباً للهدى''۔

یہ ہرگز نیت نہیں ہے کہ وہ اپنے قول کے لیے کامیاب ہو جائے: یعنی کوئی بحث ومباحثہ ہو رہا ہے وہ غور وفکر کرتا ہے تاکہ وہ غالب آجائے اپنا مقابلہ کرنے والے پر، یا اپنے دشمن پر یا مخالف پر، یا ''مجادلة بالباطل'' کے لیے کہ جدال کرنا ہے باطل سے اس کے لیے، یا کوئی اس کا ایک ہی مقصد ہے ایک ہی نیت ہے کہ وہ حق کا طلب گار ہے اور ہدایت چاہتا ہے۔

تو نتیجہ یہ ہو گا (ان شاء اللہ، اللہ کے حکم سے) ''تبين له طريق الحق'': جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ''تبين له طريق الحق'': یہ اگر ایسا عمل کرتا ہے تو اس کے لیے نتیجہ یہی نکلے گا یقیناً کہ اُس کے لیے حق کا راستہ جو ہے وہ بالکل واضح اور آسان ہو جائے گا۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وما أعظمها من نتيجة!! '' اور کتنا عظیم نتیجہ ہے یہ!! لیکن اس سے پہلے دو چیزوں سے یہ جو نتیجہ ہے جڑا ہوا ہے، ایک تدبّر ہے، اور دوسرا حسن النیۃ ہے (ایک تو آپ نے غور وفکر کرنا ہے اور دوسرا جو ہے نیت کو درست کرنا ہے)۔

نیت کیسے درست کرنی ہے ؟ کہ انسان جو ہے اسے ہدایت کا اور حق کا طلب گار ہونا چاہیے قرآن مجید میں سے اور جب وہ ایسا عمل کرے گا نیت بھی درست ہو گی تو یہ یقیناً اس کے انجام اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ بھی درست ہو گا اور حق کا طلب گار جو ہے ہدایت کا طلب گار جو ہے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بھی دے گا اور حق کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسان کر دے گا۔ اس کی دلیل کیا ہے ؟ کئی دلائل ہیں قرآن مجید میں جن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پر غور وفکر اور ہدایت کو جوڑ دیا ہے ایک ساتھ ان میں سے بعض آیات ملاحظہ فرمائیں:

(ا) پہلی آیت سورۃ النحل آیت نمبر 44 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ إلى آخر الآية (اور ہم نے نازل کیا اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے لیے ذکر (یعنی قرآن مجید))۔ کیوں؟ ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ (تاکہ لوگوں کو بیان کر دیں وضاحت کر دیں) ﴿مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (کیا اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے)۔

تو وضاحت اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے تو حدیث بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو فرمان ہے وہ قرآن مجید کی بہترین تفسیر ہے، اور سلف نے بھی یہ تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھی ہے، براہ راست علم حاصل کیا ہے صحابہ نے، پھر صحابہ سے تابعین نے، اور تابعین سے تبع التابعین نے، یہ ہمارے اسلاف ہیں "اسلاف الصالحین" جیسے ہم کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی اپنے صحابہ کو امت کو قرآن مجید سمجھایا ہے۔

(۲) دوسری آیت سورۃ ص آیت نمبر 29 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كِتٰبٌ﴾ (یہ کتاب ہے) ﴿اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ﴾ (ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ﴿مُبٰرَكٌ﴾ (بابرکت ہے)۔ کیوں نازل کیا ہے؟ برکت کس میں ہے؟ ﴿لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (تاکہ غور و فکر کریں تدبّر کریں قرآن مجید کی آیات میں) ﴿وَلِيَتَذَكَّرَ﴾ (اور نصیحت حاصل کریں) ﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (عقلمند لوگ جو ہیں)۔ سبحان اللہ: دیکھیں غور و فکر ہے، اور پھر عقلمند ہیں نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ نصیحت ہدایت ہے کہ نہیں؟ اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی غور و فکر بھی آسان ہو جائے گا اُس میں خیر کثیر ہوگا۔ برکت کیا ہے خیر کثیر ہی ہے نا؟ تو اللہ تعالیٰ نے برکت کو خیر کثیر کو جوڑ دیا ہے تدبّر کے ساتھ اور نصیحت حاصل کرنے کے ساتھ۔

(۳) تیسری آیت سورۃ المؤمنون آیت نمبر 68 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾۔

﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ (کیا یہ غور و فکر نہیں کرتے قرآن مجید پر) ﴿اَمْ جَآءَهُمْ﴾ (یا اُن کی طرف وہ آیا ہے) ﴿مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (جو اُن کے باپ دادوں کی طرف نہیں آیا)۔

یعنی جو سابقہ امتیں تھیں اُن پر بھی جو اُن کے رسول تھے اُن پر وحی نازل ہوتی رہی تو یہ جو ہیں (یعنی مشرکین قریش) یہ کیوں غور و فکر نہیں کرتے قرآن مجید میں؟ کیا جو سابقہ امتیں تھیں اُن پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی؟ تو غور و فکر کریں تاکہ اپنے آپ کو گمراہی سے بچائیں، تو غور و فکر کرنے سے ہدایت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

ہمارا موضوع کیا ہے؟ غور وفکر کرنا ہے اور دل میں نیت ہے کہ قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنی ہے اور حق کا راستہ جو ہے وہ حاصل کرنا ہے تاکہ حق پر یہ مومن جو ہے یہ گامزن ہو جائے۔

تو اس میں بھی یہی ثبوت ملتا ہے کہ غور وفکر کرنا ہے اس کے ساتھ ہدایت کو جوڑ دیا ہے۔

(۴) پھر سورۃ القمر آیت نمبر 32 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (اور یقیناً ہم نے قرآن مجید کو آسان کر دیا ہے ذکر کے لیے تو کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے)۔

ذکر سے مراد پڑھنا ہے حفظ کرنا ہے، غور وفکر کرنا ہے، آسان ہے۔ تو کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟ نصیحت حاصل کرنے کے لیے ہدایت حاصل کرنی ہے نا؟ نصیحت کس لیے جاتی ہے؟ تاکہ جو راہ رست ہے صراط مستقیم آسان ہو جائے اور حق کا راستہ آسان ہو جائے اور یہ نصیحت حاصل کرنے والا جو ہے وہ نصیحت حاصل کر لے۔

اور جو نصیحت دے رہا ہے جو نصیحت کر رہا ہے کیوں کر رہا ہے نصیحت؟ تاکہ جسے نصیحت کی جا رہی ہے وہ راہ راست پر آ جائے اور ہدایت یافتہ ہو جائے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اور بہت ساری آیات ہیں اس موضوع کے تعلق سے جن میں تدبّر القرآن پر دلالت موجود ہے اس نیت سے کہ ہدایت حاصل کرنی ہے اور قرآن مجید میں غور وفکر کرنا ہے اس سے، اور جو بھی یہ راستہ اختیار کرتا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ لازمی ہے کہ وہ اس نتیجے تک پہنچے گا کہ اس کے لیے حق کا راستہ واضح اور عیاں ہو جائے گا، اور جو قرآن مجید پر غور وفکر کرتا ہے تاکہ ایک آیت کو دوسری سے (نعوذ باللہ) وہ مار دے، یا جدال بالباطل کرنے کے لیے تاکہ اپنے قول پر ڈٹا رہے اور دوسرے پر غلبہ حاصل کر لے جیسا کہ اہل البدع اور اہل الزیغ میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو ایسے لوگ جو ہیں وہ حق سے اندھے ہو جاتے ہیں اور حق سے دور ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پناہ! ''والعیاذ باللہ''۔

اور اس کی دلیل جو ہے دیکھیں جیسے میں نے ذکر کیا تھا سورۃ آل عمران آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ (اُس نے ہی آپ پر اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کتاب نازل کی ہے (یعنی قرآن مجید)) ﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (بعض آیات قرآن مجید میں سے ﴿مُّحْكَمٰتٌ﴾ محکم آیتیں ہیں جن کا

معنی بالکل واضح اور ظاہر ہے)﴿هُنَّ أُمُّ الْكِتَٰبِ﴾(یہ ہیں اساس اور بنیاد قرآن مجید کی)﴿وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ﴾(اور بعض آیتیں جو ہیں متشابہ آیتیں ہیں (یعنی جن میں ایک سے زیادہ معنی نکلتا ہے جو واضح نہیں ہیں))﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ﴾(اب لوگوں کی دو قسمیں ہیں یہاں پر: پہلی قسم کے لوگ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ﴾ جن کے دل میں ٹیڑھا پن ہے دل میں مرض ہے)۔ کیا کرتے ہیں؟ ﴿فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ﴾(وہ اتباع کرتے ہیں ان آیات کی جن میں تشابہ ہے (متشابہ آیات جو ہیں))۔ کیوں؟﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾(وہ فتنہ چاہتے ہیں اور اس کے معنی کو بدلنا چاہتے ہیں (تاویل کرنا چاہتے ہیں))﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (اور تاویل تو حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)﴿وَالرَّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾(اور راسخون فی العلیم بھی یہ تاویل جانتے ہیں)۔

یا اُن کا طریقہ کیا ہے؟﴿يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ (ہم ایمان لے کر آئے ہیں پورے قرآن مجید پر، محکم پر بھی ایمان ہے متشابہ پر بھی ایمان ہے) ﴿كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ : کیونکہ سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے محکم بھی متشابہ بھی)(آل عمران:7)۔

لیکن اُن کا ایک طریقہ ہے وہ کرتے کیا ہیں؟ وہ لوٹاتے ہیں متشابہ کو محکم کی طرف، جب ایسا عمل کریں گے غور و فکر کریں گے (شیخ صاحب فرماتے ہیں)"فسيهتدون إلى بيان هذا المتشابه" (تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے گا جو متشابہ ہے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ متشابہ ہے اور پھر محکم کی طرف واپس لوٹایا جائے گا اور حق واضح ہو جائے گا)۔

"ثم قال:﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَٰبِ﴾(اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر جو عقلمند لوگ ہیں (جو محکم کو متشابہ کی طرف لوٹاتے ہیں))(آل عمران:7)۔

(۵)اور سورۃ فصلت آیت نمبر 44 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾(تو کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت ہے اور شفاء ہے (یعنی قرآن مجید))﴿وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾(اور جو ایمان نہیں رکھتے)﴿فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾(اُن کے کان جو ہیں بند ہو چکے ہیں)﴿وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾(اور ان کے لیے اندھا ہے (یعنی وہ اندھے ہیں دیکھتے نہیں ہیں قرآن مجید کو، نہ سنتے ہیں

قرآن مجید کو نہ غور وفکر کرتے ہیں نہ سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی وہ حق کو دیکھنا چاہتے ہیں)) ﴿أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ (یہ وہی لوگ ہیں جن کو پکارا جائے گا بہت ہی دور جگہ سے)۔

یعنی قرآن مجید ہدایت ہے اور شفاء ہے کس کے لیے ؟ اہل ایمان کے لیے جو قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے قرآن مجید پر نہ تو ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں نہ دلوں کی شفاء حاصل کرنا چاہتے ہیں، دل میں کفر ہے شرک ہے بغض ہے دین سے اور دوری ہے۔ تو حقیقت میں سنتے تو ہیں قرآن مجید اثر کیوں نہیں ہوتا؟ کیونکہ کان بند ہو چکے ہیں، دیکھتے ہیں قرآن مجید کی آیات اور اللہ تعالیٰ کی کونی آیات اندھے ہیں اُن کو کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ وہ حق دیکھا ہی نہیں چاہتے نہ حق سننا چاہتے ہیں، تو جیسا کہ یہ آج دور ہیں قرآن مجید سے اسی طریقے سے اُن کو بھی دور سے پکارا جائے گا۔

اور اس طریقے سے درس کا اختتام ہوتا ہے اور ان شاء اللہ اگلے درس میں پھر ایک نئے باب سے درس کا آغاز کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو اس کتاب کا اہم حصہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سے ہے تفصیل سے شیخ صاحب نے بیان کیا ہے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے)، چند آیات اور چند دلائل پیش کیے ہیں اور تفصیل سے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے دلائل کی روشنی میں اور چند اہم باتیں اس موضوع کے تعلق سے بیان کی ہیں، ان شاء اللہ اگلے ہفتے میں درس جاری رہے گا اور جو اگلا باب ہے اس پر بات کریں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (61.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔